قاضی ابو سعود کی تفسیر "ارشاد العقل السلیم" کا تحقیقی جائزہ

ساجد اقبال *
وقاص احمد خان **

پس منظر:

سلطنتِ عثمانیہ کی بنیاد ۱۳۰۰ء میں عثمان بن ارطغرل نے رکھی۔ سقوطِ بغداد (۶۵۶ھ بمطابق ۱۲۵۸ء) سے امتِ مسلمہ جب ضعف ونکبت کی انتہاء کو پہنچ چکی تھی سلطنتِ عثمانیہ کی بدولت اسے دوبارہ عروج وتمکنت حاصل ہوئی۔(۱)

عثمانیوں کی عسکری کاروائیاں اور فتوحات مال واسباب اور ذاتی اغراض کے لیے نہیں تھیں بلکہ ان کی غرض وغایت اعلائے کلمہ حق اور دینِ اسلام کی ترویج واشاعت تھی۔ عثمان کی اپنے بیٹے کے نام وصیّت آج بھی تاریخ میں موجود ہے جس میں اس نے عثمانی سلطنت کے وارثوں کے لیے آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتے ہوئے کہا تھا:

> "اے بیٹے! کسی ایسے کام میں مصروف نہ ہونا جس کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہ دیا ہو۔ جب بھی امورِ سلطنت کی انجام دہی میں مشکل پیش آئے تو علمائے دین سے مشورہ وراہنمائی حاصل کرنا۔ فوج اور دولت کی وجہ سے شیطان تجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ اہلِ شریعت سے دور ہونے سے احتراز کرنا۔ اے بیٹے! تو جانتا ہے کہ ہمارا مقصود رب العالمین کی رضاجوئی ہے اور یہ کہ ہم جہاد کے ذریعے تمام آفاق میں اپنے دین کے نور کو عام کر دیں۔ ہم وہ لوگ نہیں جو کشور کشائی اور لوگوں کو غلام بنانے کے لیے جنگ کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارا جینا اور مرنا فقط اسلام کی خاطر ہے اور یہ وہ چیز ہے میرے بیٹے! جس کا تو اہل ہے"۔(۲)

بقول ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی: سلطنتِ عثمانیہ کے جتنے بھی فرمانروا ہوئے ان تمام کی تربیّت خالص اسلامی طریقہ پر ہوئی یہی وجہ ہے کہ عثمانی سلاطین نے ہر چیز پر دین کو مقدم رکھا۔ پوری عثمانی سلطنت اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ سلطان وعوام، ارکانِ دولت وافواج، ثقافت وقانون، ظاہری وباطنی ہر پہلو سے اسلامی رنگ چھایا ہوا تھا۔(۳)

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا، پاکستان
**ایم۔ فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا، پاکستان

فتحِ قسطنطنیہ کے بعد بالخصوص سلطان سلیمان قانونی کا دورِ اقتدار (٩٢٦ھ تا ٩٧٢ھ بمطابق ١٥٢٠ء تا ١٥٦٦ء) سلطنتِ عثمانیہ کی قوت اور دنیا کے تمام ممالک میں اپنی قدر و منزلت کے حوالے سے انتہائی عروج کا دور تھا۔۔ اس دور کو سلطنتِ عثمانیہ کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں علماء دین کو سلطنت میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کے سلطنتِ عثمانیہ کو "دولتِ دینیہ" کہا جاتا ہے۔[٤] یہی عظیم فقیہ، متکلم، مفسر اور شاعر شیخ الاسلام قاضی ابو سعودؒ کا زمانہ تھا۔

قاضی ابو سعودؒ کا تعارف:

آپ کا نام محمد بن محیّ الدین محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی ہے اور آپ ابو سعود آفندی کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض مصادر میں آپ کے نام کی جگہ صرف کنیت ذکر کی گئی ہے۔[٥] حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں آپ کا نام احمد بھی ذکر کیا ہے۔[٦] ھدایۃ العارفین میں بھی آپ کا نام احمد مذکور ہے۔[٧] لیکن دیگر مصادر میں آپ کا نام محمد ذکر کیا گیا ہے۔ [٨]

آپ کے والد کا نام "محی الدین محمد" بعض مصادر میں مذکور ہے۔[٩] اکثر محققین نے ان کا نام محمد ذکر کیا ہے۔ خلیل ساحلی اوغلو کے مطابق اس دور میں "محمد" نام کے علماء کو محی الدین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔[١٠] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "محی الدین" ان کا لقب تھا اور نام محمد تھا۔ صرف العیدروسی نے آپ کے دادا کا نام "مصطفیٰ بن عماد" ذکر کیا ہے۔[١١] جبکہ طاش کبری زادہ نے "مصطفیٰ العماد" ذکر کیا ہے۔[١٢] باقی مؤرخین نے انہیں "مصطفیٰ العمادی" لکھا ہے۔

آپ کی تاریخِ ولادت میں مؤرخین کی آراء مختلف ہیں۔ بعض مؤرخین کے بقول آپ ٨٩٦ھ میں پیدا ہوئے۔[١٣] شوکانی نے آپ کا سنِ ولادت ٩٠٠ھ ذکر کیا ہے۔[١٤] آپ کے ہم عصر طاش کبری زادہ نے آپ کا سنِ ولادت ٨٩٨ھ بمطابق ١٤٩٣ء ذکر کیا ہے۔[١٥] اور یہی قابلِ اعتماد ہے۔ انگریز محقق R.C.Repp کے مطابق آپ ١٧ صفر ٨٩٨ھ میں پیدا ہوئے۔[١٦]

آپ کی ولادت قسطنطنیہ کے نواحی قصبے اسکلیب میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو علاقائی نسبت کی وجہ سے "اسکلیبی" کہا جاتا ہے۔[١٧] آپ نے استنبول کے جلیل القدر اساتذہ کے زیرِ سایہ پروان چڑھے۔ ابن القاضی نے ذکر کیا ہے کہ آپ اہلِ استنبول میں سے تھے۔[١٨] حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں "ابو سعود الرومی" ذکر کیا ہے۔[١٩] طاش کبری زادہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔[٢٠] یہ سارے قرائن و شواہد اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آپ کی ولادت "اسکلیب" میں ہوئی اور اسی کو انگریز محقق R.C.Repp نے بھی ترجیح دی ہے۔[٢١]

قاضی ابو سعودؒ نے جس گھرانے میں پرورش پائی وہ علم و فضل میں معروف تھا۔ آپ نے علامہ شریف جرجانی کا حاشیہ تجرید، شرح مفتاح اور شرح مواقف اپنے والد سے پڑھیں۔[۲۲] آپ کے والد نے آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا یہی وجہ تھی کہ آپ شیخ الاسلام کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ قاضی ابو سعودؒ نے اپنے والد کے علاوہ اُس زمانے کے دیگر جن جلیل القدر اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا ان میں المولیٰ سعدی الجلبی ابن التّاجیؒ، الشیخ عبدالرحمٰن المعروف بہ شیخ زادہؒ، المولیٰ عبدالرحمٰن ابن المؤید الاماسیؒ زیادہ مشہور ہیں۔ [۲۳]

قاضی ابو سعود کی تصنیفات:

آپؒ اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ تدریس، قضاء اور افتاء کے مشاغل میں منہمک رہے لیکن اس کے باوجود کئی کتب کی تحریر کا سہرا آپ کے سر ہے۔ آپ کی کتب میں "العنایہ" ھدایہ کی کتاب البیع پر آپ کا حاشیہ [۲۳]، بضاعۃ القاضی فی الصکوک، ثواقب الاقطار فی اوائل منار الانوار فی الاصول، حسم الخلاف فی المسح علی الخفاف، غلطات العوام، غمرات الملیح فی اول مباحث قصد العام من التلویح، معاقد الطراز، الفتاوی، قانون المعاملات، قصیدہ میمیہ، موقف العقول فی وقف المنقول، تھافت الامجاد فی فروع الفقہ الحنفی، نھایۃ الامجاد علی کتاب الجھاد علی الھدایۃ للمرغنیاتی[۲۴] تحفۃ الطلّاب فی المناظرۃ، تسجیل الاوقاف، رسالۃ فی مسائل الوقوف، بعض الحواشی علی تفسیر کشاف، تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم شامل ہیں۔[۲۵]

آپ نے ۵ جمادی الاول ۹۸۲ھ/ ۲۳ اگست ۱۵۷۴م اتوار کی شب تہجد کے وقت وفات پائی۔[۲۶] علامہ شھاب خفاجی نے آپ کی تاریخِ وفات ۹۸۵ھ لکھی ہے یہ درست نہیں ہے کیونکہ آپ سلطان سلیم خان کے دورِ حکومت میں فوت ہوئے اور سلطان کی وفات ۱۸ رمضان المبارک ۹۸۲ھ میں ہوئی۔ العیدروسی نے بھی آپ کی تاریخِ وفات میں غلطی کی ہے کہ آپ کی وفات جمادی الآخر ۹۵۲ھ میں ہوئی۔[۲۷] اس لیے کہ آپ سلطان سلیم کے زمانے میں فوت ہوئے اور سلطان سلیم بن سلطان سلیمان قانونی ربیع الاول ۹۷۴ھ میں سریر آراء سلطنت ہوا۔ آپ کے جنازے میں کثیر تعداد میں علماء، سیاسی زعماء اور عوام نے شرکت کی۔ مولیٰ سنان محشیٰ نے جامع سلطان محمد میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار کے قریب مقبرے میں دفن کیا گیا۔[۲۸]

تفسیر ابی سعود کا تعارف:

''ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم'' آپ کی شاہکار تالیف ہے۔ تفسیر کے مقدمہ میں آپ نے اس تالیف کا مدعا خود ہی بیان کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی فصاحت و بلاغت اور ندرت بیانی سے لوگوں کو آگاہ کرنا اور دیگر تمام کتب پر کلام اللہ کی حقانیت کو ثابت کرنا۔ اس سلسلے میں آپ نے تفسیر کشاف اور انوار التنزیل سے

خوب استفادہ فرمایا ہے۔آپ کی اس شاہکار تالیف کا مطالعہ کرنے سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوتی ہے کہ آپ نے عبارت کی دلکشی و دلآویزی کا خوب اہتمام کیا ہے۔ بالخصوص آپ نے قرآن کریم کے نظم و اسلوب کے سرّ اعجاز اور بلاغی پہلو کو اجاگر کرنے کی حتی المقدور سعی فرمائی ہے۔ فصل و وصل ،ایجاز و اطناب ،تقدیم و تاخیر نیز اعتراض و تذییل کا بھی خوب اہتمام فرمایا ہے۔قرآن ترکیب جن دقیق و عمیق معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہے اس کے اظہار و بیان کا خصوصی خیال رکھتے ہیں۔یہ ایک ایسا وصف ہے جو اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو عربی زبان کی باریکیوں سے پوری طرح آگاہ و آشنا ہو۔اس میں شک نہیں کہ مؤلف اس پہلو میں سب مفسرین سے سبقت لے گئے ہیں۔

بہر کیف یہ کتاب دقتِ نظر و فکر اور ژرف نگاہی کی آئینہ دار ہے۔اس میں تفسیر کو غیر ضروری امور کے ساتھ مخلوط نہیں کیا گیا۔بعد میں آنے والے مفسرین کے لیے یہ ایک اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔دار الکتب العلمیہ بیروت نے ۴۱۶۰ صفحات پر مشتمل آٹھ خوبصورت جلدوں میں تخریج کے ساتھ شائع کی ہے۔

تفسیر ابی سعود کا علمی مقام:

تفسیر ابی سعود کو علماءِ فن کے ہاں بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔متقدمین و متاخرین علماء نے اس کے بارے میں کلماتِ تحسین ارشاد فرمائے ہیں۔چند علماء کے تاثرات حسبِ ذیل ہیں:

طاش کبری زادہ اپنے خیالات اظہار یوں کرتے ہیں:

"وقد اتی ابو سعود فی تفسیره بما لم تسمع به الاذهان،ولم تقرع به الآذان، فصدق المثل السائر،کم ترک الاول للآخر"۔[۲۹]

حاجی خلیفہ کشف الظنون میں فرماتے ہیں:

"وقد انتشرت نسخه فی الاقطار، و وقع له التلقی بالقبول من الفحول والكبار،لحسن سبكه، ولطف تعبيره،فصار يقال له:"خطيب المفسرين"،ومن المعلوم ان تفسير احد سواه بعد الكشاف والقاضی لم يبلغ الی ما بلغ من رتبةالاعتبار والاشتهار،والحق انه حقيق به"۔[۳۰]

"اس تفسیر کے نسخے ملک کے اطراف و اکناف میں پھیل گئے اور محقق علماء نے اس کے خوبصورت انداز و حسنِ تعبیر کی وجہ سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔یہی وجہ ہے کہ قاضی ابو سعود کو "خطیب المفسرین" کا لقب دیا گیا۔حق یہ ہے کہ کشاف و بیضاوی کے علاوہ ایسی شہرت کسی تفسیر کو حاصل نہیں ہوئی"۔

محمد عبدالحہ لکھنوی الفوائد البهية میں لکھتے ہیں:

" وقد طالعت تفسير ابى سعود وانتفعت به و هو تفسير حسن، ليس بالطويل الممل،ولا بالقصير المخل،ومتضمن لطائف و نكات،و مشتمل علىٰ فوائد واشارات"۔[۳۱]

"میں نے تفسیر ابی سعود کا مطالعہ کیا ہے یہ ایک بہترین تفسیر ہے۔نہ تو اتنی طویل کہ بیزار کر دے اور نہ اتنی مختصر کہ مراد ہی سمجھ نہ آ سکے۔ان گنت لطائف و نکات اور فوائد و اشارات پر مشتمل ہے"۔

علامہ محمد حسین الذہبی التفسیر والمفسرون میں رقم طراز ہیں:

"والحق ان هذا التفسير غاية فى بابه،ونهاية فى حسن الصوغ و جمال التعبير،و كشف فيه صاحبه عن اسرار البلاغية القرآنية و شهد له كثير من العلماء بانه خير ما كتب فى تفسير"۔[۳۲]

"یہ حقیقت ہے کہ یہ تفسیر حسن صوغ اور جمالِ تعبیر کی وجہ سے بے مثال ہے۔صاحبِ تفسیر نے اس میں قرآن مجید کے بلاغی اسرار سے پردہ ہٹایا ہے۔کثیر علماء نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ تفسیری میدان میں ایک بہترین اضافہ ہے"۔

علامہ احمد بن محمد ادنروی طبقات المفسرین میں لکھتے ہیں:

"و صنف ارشاد العقل السليم الىٰ مزايا القرآن العظيم فى التفسير،و كان من امثل الكشاف والبيضاوى من اكمل التفاسير،وعليه تعليقة عظيمة للعالم الفاضل الشيخ رضى الدين بن الشيخ يوسف "[۳۳]

"تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن العظیم کشاف وبیضاوی کی مثل کامل ترین تفسیر ہے۔اور اس پر علامہ شیخ رضی الدین بن شیخ یوسف نے عمدہ حاشیہ تحریر کیا ہے۔

شیخ محمد بن عاشور اپنی کتاب التفسیر ورجالہ میں تفسیر ابی سعود کی شہرت اور مقام و مرتبہ کے بارے لکھتے ہیں:

"و لقد تلقفه الناس منذ بروزه بالاعتناء، و نظروا اليه بالاعجاب، فشاعت نسخه الخطية شرقاوغربا،ولم يكد يستهل القرن الحادى عشر حتى كانت خزائن الكتب عامرة بنسخ هٰذا التفسير،ومجالس الدروس به حافلة،وكان العلماءمن العرب والعجم قد اعتنوا بتدريسه والتعليق عليه"۔[۳۴]

ترجمہ:"جونہی یہ تفسیر منظرِ عام پر آئی لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور جلد ہی اس کے نسخے مشرق و مغرب میں پھیل گے۔گیارہویں صدی کے آغاز سے پہلے ہی لائبریریاں اسکے نسخوں سے بھر گئیں تھیں۔اور عرب و عجم کے علماء اس کی تدریس و تعلیق میں مشغول ہو گے"۔

تفسیر ابی سعود کے مصادر:

قاضی ابو سعودؒ کی تفسیر کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تفسیر کے آغاز سے پہلے آپ نے اس وقت تک دستیاب تمام کتب تفسیر کا باریک بینی سے مطالعہ کیا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی تفسیر آٹھویں صدی ہجری تک کے تقریباتمام معروف مفسرین کی آراء سے مزین ہے۔لیکن آپ نے جن کتبِ تفسیر پرسب سے زیادہ انحصار کیا ہے وہ تفسیرِ کشاف اور تفسیر بیضاوی ہیں۔ درحقیقت یہی دو تفاسیر اس تفسیر کے منصّۂ شہود پرآنے کا باعث بنیں۔اس بات کااظہار آپ تفسیر کے مقدمہ میں یوں فرماتے ہیں:

"یتضمن کل منهما فوائد شریفة، تقربها عیون الاعیان، وعوائد لطیفة،یتشنف بها آذان الاذهان، لا سیما الکشاف و انوار التنزیل، المتفردان بالشان الجلیل،و النعت الجمیل، فان کلامنهما قد احرز قصب السبق ای احراز،کانه مرآة لاجتلاء وجه الاعجاز،صحائفهما مرایا المزایاالحسان وسطورهما عقود الجمان،وقلائد العقیان،ولقد کان فی سوابق الایام، و سوالف الدهور والاعوام،اوان اشتغالی بمطالعتهما وممارستهما،و زمان انتصابی لمفاوضتهما ومدارستهما۔ یدور فی خلدی علیٰ استمرار آناء اللیل واطراف النهاران انظم درر فوائدهما فی سمط دقیق،وارتب غرر فرائدهما علیٰ ترتیب انیق، و اضیف الیها ما الفیته فی تضاعیف الکتب الفاخره من جواهرالحقائق،و صادفته فی اصداف العیالم الزاخره من زواهر الدقائق، و اسلک خلالها بطریق الترصیع علی نسق انیق، و اسلوب بدیع حسبما یقتضیه جلالة شان التنزیل"۔[۳۵]

تفسیرِ کشاف و بیضاوی کے عمدہ لطائف و نکات ہی وہ محرک تھے جنہوں نے بقول مصنف اُن کو مسلسل افتاء و قضاء کی ذمہ داریوں کے باوجوداِن تفسیرات کے مطالعہ پر مجبور کیے رکھااور دن رات ان کے عمدہ وبے مثال لطائف و فوائد کے موتیوں کو خوبصورت لڑی میں پرونے کی لگن و جستجو میں مشغول رکھا۔ ذیل میں ہم تفسیرِابی سعود کی انہیں دو کتبِ مصادر علامہ ابو سعودؒ کے مقاماتِ استشہاد کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

الکشاف از زمخشری (م ۵۳۸ھ) سے علامہ ابو سعودؒ کے مقاماتِ استشہاد:

ابو سعودؒ نے تفسیرِ زمخشری سے علمِ نحو، بیان، معانی اور جمالِ نظمِ قرآنی وغیرہ میں استشہاد کیا ہے۔

علمِ نحو میں استفادہ کی مثال:

آپ نے زمخشری سے نحو میں بہت زیادہ استفادہ کیا ہے جس کی ایک مثال درج ذیل ہے: اللہ تعالیٰ کے فرمان" وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً "[۳۶]کی تفسیر میں آپ نقل کرتے ہیں کہ علامہ زمخشری اللہ تعالیٰ کے ارشاد"اذ قال ربک للملائکةانی خالق بشرا من طین"کی تفسیر میں کہتے ہیں:

" ان قلت کیف صح ان یقول لھم بشرا وما عرفوا ماالشر،ولا عھدوا بہ؟ قلت: وجہہ : ان یقول قد قال لھم ، انی خالق خلقا من صفتہ کیت و کیت و لکنہ حین حکاہ اقتصر علیٰ الاسم "۔[۳۷]

قرآنی اصطلاحات کے مفہوم میں استشہاد:

ابو سعود نے زمخشری سے قرآنی اصطلاحات کے مفہوم کو متعین کرنے میں مدد لی ہے۔ مثلا "اوفوا بالعقود" کی تفسیر میں آپ نقل کرتے ہیں کہ "آیت میں" عقود "سے مراد وہ عقود ہیں جو دین میں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ہیں۔ کہ جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے اس کو حلال جانیں اور جس چیز کو اس نے حرام کیا ہے اس کو حرام تصور کریں"۔[۳۸]

بلاغی مسائل کے اسلوب میں علامہ ابو سعود کا متاثر ہونا:

بلاغی مسائل میں زمخشری کے خصائصِ اسلوب میں سوال وجواب کا اسلوب نمایاں ہے۔ قاضی ابو سعود اس باب میں زمخشری کے اسلوب سے بہت متاثر ہیں۔ تفسیرِ زمخشری اور تفسیرِ ابی سعود کا موازنہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی کہ آپ کی تفسیر پر زمخشری کا رنگ غالب ہے۔ مثلا
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان"[۳۹]
"اور آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے"۔

امام زمخشری اس آیت کا بلاغی پہلو یوں بیان کرتے ہیں کہ "آخرت میں دائمی زندگی ہے اور وہاں موت نہیں ہے "حیوان"" حی "کا مصدر ہے اور اس کو حییان پر قیاس کیا گیا ہے۔ اس میں دوسری یاء کو واؤ میں بدل دیا گیا ہے۔ اسم رجل میں زندگی ہے اور یہ نام اسی کو دیا جاتا ہے جس میں حیات ہو۔ حیوان میں حیات کی نسبت زیادہ بلیغ مفہوم موجود ہے اور یہ ان دو افعال کے مفہوم میں ھے جو حرکت اور اضطراب ہیں اور اس کے مشابہ نزوان اور نعضان ہیں۔ حرکت زندگی ہے اور سکون موت ہے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر حیات کے مفہوم مبالغہ کے لیے حرکت کے مفہوم کو لایا گیا ہے۔ اس لیے یہاں مبالغہ کے تقاضا کے تحت حیات پر اس کو اختیار کیا گیا ہے۔[۴۰]

علامہ ابو سعود اسی آیت کے بلاغی گوشہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ "آخرت کا گھر ہی حقیقی گھر ہے کیونکہ وہاں نہ موت ہے اور نہ فنا بلکہ وہاں مبالغہ کی حد تک زندگی ہے۔"الحیوان" "حیی"کا مصدر ہے اس کی

اصل"حییان "ہے۔ دوسری یاء کو خلاف قیاس واؤ میں بدل دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کی اصل یاہی ہے اور سیبویہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس میں حیاۃ کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ اس کے مفہوم میں دو فعل حرکت اور اضطراب شامل ہیں اور یہ دونوں زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اسی لیے یہاں "حیات" کی بجائے "الحیوان" کو اختیار کیا گیا ہے اور یہی مبالغہ کا تقاضا بھی ہے۔[۴۱] اس مثال سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قاضی ابو سعود آیت کے بلاغی حسن کو بیان کرنے زمخشری سے کس قدر متاثر ہیں۔ اگرچہ دونوں کے اسلوب میں لطیف اختلاف موجود ہے لیکن علامہ ابو سعو کا اسلوبِ بیاں زمخشری سے بہتر ہے۔

تاویلِ آیات بیان کرنے میں استفادہ:

قاضی ابو سعود نے زمخشری سے تاویلِ آیات بیان کرنے میں بھی استفادہ کیا ہے۔ اگرچہ آپ معتزلی عقائد میں زمخشری کا خوب مناقشہ کرتے ہیں لیکن ایسی تاویل جو حق کی موافقت میں ہو اس کو اپنی تفسیر میں جگہ دیتے ہیں مثلا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ"[۴۲]

"بے شک وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کا رب انہیں ان کے ایمان کے ساتھ (منزلِ مقصود تک) پہنچائے گا۔"

علامہ زمخشری نے کہا اس آیت میں وہ ایمان مقصود ہے جو عملِ صالح سے مزین ہو۔ علامہ ابو سعود نے بھی اسی تاویل کو قدر تفصیل نقل کیا ہے۔[۴۳]

۲۔ انوار التنزیل واسرار التاویل از البیضاوی (م۶۹۱ھ) سے قاضی ابو سعود کا استشہاد:

تفسیرِ بیضاوی تفسیر ابی سعود کا دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ بقول ڈاکٹر ابراھیم رفیدہ تفسیر ابی سعود منہج واسلوب کے اعتبار سے تفسیرِ بیضاوی کے زیادہ قریب ہے۔[۴۴] صاحبِ "الکواکب السائرۃ" رقم طراز ہیں کہ آپ نے تفسیرِ بیضاوی کے خصائص کو اس تفسیر میں جمع کیا ہے اور تفسیرِ قرطبیؒ، ثعلبی، واحدی اور تفسیرِ بغوی کی خوبیوں سے بھی مزین کیا ہے۔[۴۵]

تفسیرِ ابی سعود کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی قاضی ابو سعود نے بیضاوی سے بے پناہ استفادہ کیا ہے۔ علامہ ابو سعود نے اس تفسیر سے کلمات کے معانی، نحو، قراءات، علم الکلام اور بلاعنت وغیرہ میں استفادہ کیا ہے۔ مثلاارشادِ باری تعالیٰ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[۴۶] میں لفظ "الصلوۃ" کی توضیح میں علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

"والصلوٰة فعلة من صلى اذا دعا كالزكوٰة من زكى كتبتا بالواو على لفظ المفخم وانما سمّى الفعل المخصوص بها لاشماله على الدعاءوقيل اصل صلّى حرك الصلوين لان المصلى يفعله فى ركوعه وسجوده واشتهار هٰذا اللفظ فى المعنى الثانى مع عدم اشتهاره فى الاول لا يقدح فى نقله عنه وانما سمى الداعى مصليا تشبيها له فى تخشعه بالراكع والساجد"۔(۴۷)

"اور لفظ صلوۃ "فَعَلَۃ" کے وزن پر صلی سے مشتق ہے جیسے زکوٰۃ "زکی" سے مشتق ہے اور ان دونوں کو واؤ کے ساتھ لفظِ مفخم کے طور پر لکھا گیا ہے اور فعلِ مخصوص کو "صلوٰۃ" اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ دعا پر مشتمل ہوتی ہے۔ بعض (زمخشری) کے نزدیک "صلی" کا اصل معنی حرک الصلوین (سرین کو حرکت دینا) ہے۔ اس لیے کہ نماز پڑھنے والا رکوع و سجود میں اپنی سرین کو حرکت دیتا ہے۔ اس لفظ کا دوسرے معنی (نماز) میں مشہور ہونا اور پہلے معنی (حرک الصلوین) میں مشہور نہ ہونا پہلے معنی کے لیے قدح کا باعث نہیں۔ اور دعا کرنے والے کو "مصلی" اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کو رکوع و سجود کرنے والے کے ساتھ خشوع و خضوع میں تشبیہ دی جاتی ہے۔

علامہ ابو سعودؒ نے بھی معمولی لفظی فرق کے ساتھ بعینہٖ بیضاوی کی توضیح پر اکتفا کیا ہے۔ "صلوۃ" کی وضاحت کرتے ہوئے تفسیر ابی سعود میں آپ یوں رقم طراز ہیں:

"و الصلوٰة فعلة،من صلى اذا دعا ،كالزكوٰة من زكى ،و انما كتبتا بالواو مرعاة للفظ المفخم، و انما سمّى الفعل المخصوص بها لاشماله على الدعاء، و قيل :اصل صلّى حرّك الصلوين،وهما العظمان الناتئان فى اعلى الفخذين ،لان المصلى يفعله فى ركوعه و سجوده، و اشتهار اللفظ فى المعنى الثانى دون الاول لا يقدح فى نقله عنه،وانما سمى الداعى مصليا تشبيها له فى تخشّعه بالراكع والساجد"(۴۸)

مندرجہ بالا تفسیر میں لفظ "صلوین" کی وضاحت وهما العظمان الناتئان فى اعلى الفخذين کے علاوہ آپ نے بعینہٖ بیضاوی کی عبارت کو نقل کر دیا ہے۔ اسی طرح آپ نے معتزلہ کے رد میں بھی علامہ بیضاوی کا نہ صرف اسلوب اختیار کیا ہے بلکہ کئی مقامات پر انہیں کی عبارت نقل کر دی ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ(۴۹) میں لفظ "رزق" کی تفسیر میں علامہ بیضاوی معتزلہ کے ساتھ اختلاف نقل کرتے ہیں کہ

"والمعتزلة لما استحالوا من الله ان يمكن من الحرام لانه منع من الانتفاع به وامر بالزجر عنه قالوا الحرام ليس برزق الا ترى انه تعالى اسند الرزق ههنا الى نفسه ايذانا بانهم ينفقون الحلال المطلق فان انفاق الحرام لايوجب المدح و ذم المشركين على تحريم ما

رزقهم الله بقوله تعالى"قل ارءيتم ما انزل الله لكم من رزق فجعلتم منه حراما و حلٰلا" واصحابنا جعلوا الاسناد للتعظيم والتحريض على الانفاق والذم لتحريم ما لم يحرم واختصاص ما رزقناهم بالحلال للقرينة وتمسكوا بشمول الرزق بقوله عليه الصلوةو السلام في حديث عمرو بن قرة "لقد رزقک الله طيبا فاخترت ما حرم الله عليک من رزقه مكان مااحل الله لک من حلاله" وبانه لو لم يكن رزقا لم يكن المتغذى به طول عمره مرزوقا وليس كذلک لقوله تعالى"وما من دابة فى الارض الا على الله رزقها[۵۰]"۔[۵۱]

علامہ ابو سعود نے بھی "رزق" کی تفسیر میں قاضی بیضاویؒ کا مندرجہ بالا کلام نقل کیا ہے۔ سوائے اس کے کے آپ نے حدیثِ عمرو بن قرۃ کو مکمل ذکر کیا ہے۔[۵۲]

تفسیر ابی سعود کا منہج واسلوب:

علم الکلام کے بیان میں علامہ ابو سعودؒ کا منہج واسلوب:

علم الکلام اسلام کے دینی علوم میں سے ایک علم ہے جس کا مقصد عقائدِ دینیہ کو دلائل عقلیہ کے ساتھ ثابت کرنااور مخالفین کے شکوک وشبہات کاازالہ کرنا ہے۔[۵۳]

تفسیر ابو سعود کے اہم مصادر میں سے ایک علامہ زمخشری کی کشاف بھی ہے۔اس سے ابو سعود نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے لیکن اس کے باوجود علامہ ابو سعودؒ بیانِ عقائد میں سلف اہلِ سنت کے طریقہ پر کاربند رہے۔ بقول ڈاکٹر محمد حسین الذہبی "علامہ ابو سعودؒ کشاف کے اعتزالات کے دھوکے میں مبتلاء نہیں ہوئے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی تفسیر کو مذہبِ اہلِ سنت پر قائم رکھتے ہوئے ان کا ذکر محض بطورِ تحذیر کیا ہے"۔[54] ڈاکٹر صبحی الصالح اپنی کتاب "مباحث فى علوم القرآن" میں اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ علامہ ابو سعود نے مذہبِ اہلِ سنت کی ہی پیروی کی ہے۔[۵۵]

تاویلِ صفات،اور خلق افعالِ عباد وغیرہ ایسے عقائد و نظریات میں آپ معتزلہ کا خوب تعاقب فرماتے ہیں۔ مثلاارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" فَلَا تَلُوۡمُوۡنِىۡ وَ لُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ"[۵۶]

"سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو"

زمخشری نے اس آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ انسان شقاوت اور سعادت کو اختیار کر سکتا ہے۔ان دونوں کو وہ اپنے نفس کے لیے حاصل کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ذمے صرف تمکین (قدرت)اور

شیطان کے ذمے تزئین و آرائش ہے اور اگر ایسا معاملہ ہوتا جیسے جبریہ کا خیال ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے تو شیطان یوں کہتا"فلاتلومونی ولا انفسکم فان الله تعالیٰ قد قضیٰ علیکم الکفر واجبرکم علیه"۔

علامہ ابو سعودؒ اس تاویل کو رد کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ اس میں بندے کا اپنے افعال پر مستقل ہونے کی دلیل نہیں ہے جیسے معتزلہ نے گمان کیا ہے بلکہ بندہ کو اتنی قدرتِ کاسبہ حاصل ہے جس پر اس کے مکلف ہونے کا دارو مدار ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جیسے اسکے افعال کو تخلیق کیا ہے اور اختیار دیا ہے اسی پر سعادت وشقاوت مرتب ہوتی ہے۔ اور جو یہ کہتا کہ اس طرح تو شیطان یوں کہتا کہ "مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ کو ملامت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کفر کا فیصلہ فرمادیا اور تمہیں کفر پر مجبور کردیا" تو اس نے مذہبِ اہلِ حق اور مسلک جبریہ کے مابین فرق نہیں کیا۔[۵۷]

ایمان کی تعریف میں آپ لکھتے ہیں کہ "شریعت میں ایمان ہمارے نبی ﷺ کے دین کے ضروری امور جیسے توحید، نبوۃ، بعثت و جزاء وغیرہ کی تصدیق کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ کیا صرف تصدیق ہی کافی ہے یا اس کے ساتھ اقرار کا ملانا بھی ضروری ہے۔ پہلی رائے شیخ اشعری اور آپ کے پیروکاروں کی ہے۔ ان کے نزدیک اقرار احکام کے جاری کرتے وقت پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا مذہب امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے متبعین کا ہے اور یہی حق ہے۔ اگر اقرار اور تصدیق دونوں کو ایمان کا جز بن لیا جائے تو اقرار عذر کے وقت ساقط ہو جاتا ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک تو ایمان تین چیزوں کا مجموعہ ہے: حق کا اعتقاد رکھنا، زبان سے اقرار کرنا اور اسکے واجب کیے گئے عمل کی بجاآوری کرنا۔ جس کے صرف اعتقاد میں خلل ہو وہ منافق ہے اور جس کے اقرار میں خلل ہو وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں کوتاہی ہو تو وہ بالاتفاق فاسق ہے خوارج کے نزدیک کافر ہے اور معتزلہ کے نزدیک ایمان سے خارج ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہے۔[۵۸]

اسرائیلیات کے بیان میں علامہ ابو سعودؒ کا منہج:

اسرائیلیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ محمد حسین الذہبی "التفسیر والمفسرون" میں رقم طراز ہیں کہ

"مسلم علماء نے اسرائیلیات یہود ونصاری کی ان روایات کو قرار دیا ہے جو ان کے قبولِ اسلام یا اسلام کا لبادہ اوڑھنے کے بعد اسلامی معاشرے میں سرایت کر گئی تھیں۔ یہ ان کی ثقافت کا رنگ ہے جو ان علماء کی کتب میں شامل ہوا جو روایات کی تحقیق میں شدید نہ تھے۔ ان روایات کا اکثر حصہ خرافات پر مبنی ہے اور یہ اس ثقافت کی ترجمانی کرتی ہیں جو منطقی قواعد اور قوانینِ حیات کے برعکس ہیں"۔[۵۹]

علامہ ابو سعود اپنی تفسیر میں اسرائیلی روایات کو بہت کم نقل کرتے ہیں اور اس ضمن میں آپ کا منہج یہ ہے کہ آپ ان کو جزم و وثوق کے ساتھ نقل نہیں کرتے بلکہ رُوِی اور قیل کے الفاظ کے ساتھ ان کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مزید نقد و جرح کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَ اِنِّیۡ مُرۡسِلَۃٌ اِلَیۡہِمۡ بِہَدِیَّۃٍ فَنٰظِرَۃٌۢ بِمَ یَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ"۔[۶۰]

"اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیج کر معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ قاصد کیا چیز لے کر لوٹتے ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابو سعودؒ نے اسرائیلیات میں سے ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا ہے اور اس پر کوئی تنقید نہیں کی شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ نے روی کے لفظ سے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے بعد مزید نقد کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔[۶۱]

مسائلِ فقہ کی وضاحت میں تفسیر ابی سعود کا منہج:

علامہ ابو سعود نے اپنی تفسیر میں مسائلِ فقہ بیان کرتے ہوئے مناقشات واعتراضات میں پڑے بغیر صرف آئمہ کے فقہی مسالک دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اپنے مذہبِ فقہ یعنی فقہ حنفی کو دیگر پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثلا

سورۃ فاتحہ کے اختتام پر "آمین" کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال بیان کرتے ہوئے علامہ ابو سعودؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام کا اتفاق ہے کہ آمین قرآن کا حصہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا اختتام کرنا سنت ہے۔ حضرت ابو حنیفہؒ سے مشہور یہ ہے کہ مقتدی آمین آہستہ کہے اور آپ ہی سے یہ منسوب ہے کہ امام آمین نہ کہے کیونکہ وہ دعا کرنے والا ہے۔ امام حسن بصریؒ سے بھی یہی مروی ہے۔

عبداللہ بن مغفل اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آمین کا اخفاء نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک آمین جہرا کہی جائے گی۔ آپ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ولا الضالین پڑھا تو آپ نے آمین فرمایا اور اس کے ساتھ آپؐ کی آواز بلند ہوئی۔[۶۲]

قراءاتِ قرآنیہ کی توجیہ میں تفسیرِ ابو سعود کا منہج واسلوب:

علامہ ابو سعودؒ نے قراءاتِ قرآنیہ کو ذکر کرنے میں ایک مخصوص منہج واسلوب نہیں اپنایا۔ بلکہ آپ نے تفسیری نکات اور نحوی توجیہات میں قراءات سے مدد لی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ قراءاتِ قرآنیہ کو پیش کرنے میں چار مختلف انداز اپنائے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

1۔آپؒ آیت میں مذکور کامل قراءت کے علاوہ تمام قراءات کی توجیہ کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ "(۶۳)

آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والا۔اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف فرماتا ہے ہو جا تو ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابو سعودؒ لفظ "بدیعُ" کی مختلف قراءات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "بدیعُ" کے لفظ کو نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے مدح کے طور پر اور "له" میں ضمیر سے بدل کے طور پر جر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس کی رائے کے موافق جس نے ضمیرِ مجرور سے بدل کو جائز قرار دیا ہے۔(۶۴)

علامہ ابو سعود نے نصب اور جر کے ساتھ مذکور قراءات کی توجیہ بیان کی ہے لیکن آیت میں مذکور جمہور کی قراءت کی کوئی توجیہ پیش نہیں کی۔

2۔علامہ ابو سعودؒ صرف بعض مذکورہ قراءات کی توجیہ کرتے ہیں اور بعض کو ترک کر دیتے ہیں۔اس کی چند امثلہ درج ذیل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا "(65)

اور رسولوں میں سے کچھ وہ ہیں جن کا ذکر پہلے آپ سے کیا اور کچھ کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کلام فرمایا۔

اس آیت کی تفسیر میں آپ ذکر کرتے ہیں کہ "ورسلاً" کو مضمر کلمہ اوحینا کی وجہ سے نصب دی گئی ہے اور معطوف علیہ اس کے ساتھ تشبیہ کے حکم میں داخل ہے جیسا اس سے پہلے ہے یعنی کلام یوں ہو گا وکما ارسلنا رسلا نہ کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد" قد قصصناهم علیک" کے ساتھ اسکی تفسیر کی گئی ہے یعنی تقدیرِ کلام وقصصنا رسلاً نہیں ہے۔جس طرح انہوں نے کہا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان قد قصصناهم پہلی صورت میں منصوب ہے رسلاً کی صفت ہونے کی بناپر،اور دوسری صورت میں اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہے۔اس کو رفع کے ساتھ "رسل" بھی پڑھا گیا ہے۔(66)

مندرجہ بالا تفسیر میں علامہ ابو سعودؒ نے ورسلا جو کے جمہور کی قراءت ہے اس کی توجیہ بیان کی ہے جبکہ رسل رفع کی قراءت کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی کوئی توجیہ ذکر نہیں کی۔

3۔قراءاتِ مذکورہ کی توجیہ کو کسی اور مقام کی توجیہ پر قیاس کرتے ہیں:

آپ ایک قراءت ذکر کرتے ہیں اور اس کی توجیہ میں اس ما قبل یا مابعد قرآن کریم کے کسی بھی مقام سے آیت کی قراءت ذکر کر کے زیرِ بحث قراءت کو اس پر قیاس کر لیتے ہیں۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"صمّ بکم عمی فھم لا یرجعون"(۶۷)

علامہ ابو سعودؒ اس آیت میں نصب کی قراءت ذکر کرتے ہیں کہ اس کو صمّاً بکماً عمیاً بھی پڑھا گیا ہے یا تو اس وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "حمالةَ الحطب" اور یہاں مخصوص بالذم منافقین ہیں یا مستوقدین ہیں۔ یا پھر نصب "ترکھم" میں ضمیرِ منصوب سے حال ہونے کی بنا پر دی گئی ہے یا اس کو "لا یبصرون" میں مرفوع ہے یا ترکھم کے لیے مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے تو اس صورت میں دونوں ضمیریں مستوقدین کے لیے ہوں گی۔(۶۸)

یہاں علامہ ابو سعود نے صمّاً بکماً عمیاً میں نصب کی قراءت کی توجیہ میں حمالةَ الحطب سے دلیل دی ہے اور اس کو اس پر قیاس کیا ہے کہ یہاں ذم و شتم کا قصد کیا گیا ہے۔

4۔مذکورہ قراءات کی توجیہ بالکل نہیں کرتے۔

اس طریقہ میں ابو سعودؒ کسی کلمہ میں مذکورہ قراءات کی کوئی توجیہ نہیں کرتے۔ یہ انداز آپ نے اپنی تفسیر میں کئی مقامات پر اپنایا ہے۔ چند امثلہ درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْـَٔلُوْنَ "(۶۹)

انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں عورتیں ٹھہرایا کیا ان کے بناتے وقت یہ حاضر تھے اب لکھ لی جائے گی ان کی گواہی اور ان سے پوچھا جائے گا۔

علامہ ابو سعودؒ اس آیتِ کریمہ کے متعدد کلمات کی قراءات کا ذکر کیا ہے لیکن کسی کی بھی توجیہ بیان نہیں کی۔ آپ فرماتے ہیں "ستکتب شھادتھم" یہ ان کے اعمال کے دیوان میں لکھی جائے گی "ویسئلون" اور ان سے پوچھا جائے گا اس کے متعلق قیامت کے دن۔ "سیکتب" اور "سنکتب" یاء اور نون دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ایک قراءت "شھاداتھم" ہے۔(۷۰)

ہم دیکھتے ہیں کہ "ستکتب شهادتهم "جمہور کی قراءت ہے۔ لیکن علامہ ابو سعودؒ نے دیگر قراءات بیان کرنے کے باوجود ان کی کوئی توجیہ ذکر نہیں کی۔

علمِ نحو کے بیان میں تفسیرِ ابی سعود کا منہج:

علامہ ابو سعودؒ نے بھی اپنی تفسیر کو علمِ نحو کی ابحاث سے مزین کیا ہے اس میں آپ کا اسلوب بڑا دلکش ہے کہ آپ نحوی موشگافیوں کی بجائے فقط معنی و مفہوم کی وضاحت کے لیے مختصر نحوی آراء کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے قاری کی توجہ نحوی بحثوں میں اُلجھنے کی بجائے قرآنی متن کے مطلوبہ معنی کی طرف مبذول رہتی ہے۔ جب آیت مختلف وجوہِ اعراب کی متحمل ہوتی ہے تو آپ ان وجوہ میں سے ایک کو ترجیح دے کر اس کی دلیل نقل کرتے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

1۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" يَّرِثُنِيۡ وَ يَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ وَ اجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا "(۴۱)

جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب علیہ السلام کا بھی جانشین۔ اے میرے! تو اسے مقبول بندہ بنادے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابو سعودؒ فرماتے ہیں کہ یرثنی کے فاعل کی بنا پر یرث من آل یعقوب کی بجائے "وارث من آل یعقوب" بھی پڑھا گیا ہے تجرید کے طریقہ کے مطابق یعنی یرثنی به وارث اور کہا گیا ہے کہ من بعضیہ ہے کیونکہ تمام آل یعقوب نہ تو انبیاء تھے اور نہ ہی علماء تھے۔ "واجعله رب رضيا " تیری بارگاہ میں قول و عمل دونوں اعتبار سے مقبول ہو۔(۴۲)

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ ابو سعودؒ نے یرث من آل یعقوب کی مختصر اًنحوی توجیہ ذکر کی ہے کہ اس کو اگر یرثنی کا فاعل بنایا جائے تو پھر وارث من آل یعقوب" بھی پڑھا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی، الدولۃ العثمانیہ (مصر: دار التوزیع والنشر الاسلامیہ، ۲۰۰۱ء)، ۱۵۱۔
۲۔ڈاکٹر محمد حرب، العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ (القاھرہ: المرکز المصری للدراسات العثمانیۃ، ۱۹۹۴ء)، ۱۶۔
۳۔ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی، الدولۃ العثمانیہ (مصر: دار التوزیع والنشر الاسلامیہ، ۲۰۰۱ء)، ۱۵۱۔
۴۔ جمیل بیضون وآخرون، تاریخ العرب الحدیث (اربد: دار الامل، ۱۹۹۲ء)، ۲۰۔
۵۔طاش کبری زادہ، الشقائق النعمانیہ فی علماء دولۃ العثمانیہ (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۷۵ء) ص ۴۴۰۔
۶۔حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ج ۱ (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۱ء) ص ۶۔
۷۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۶ ص، ۴۵۳۔
۸۔اسماعیل بن محمد البابانی البغدادی، ھدایۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنّفین، ج ۲ (القاھرہ: دار الفکر، ۱۹۹۲ء) ص ۸۱۔
۹۔ نجم الدین محمد بن محمد بن احمد الغزی، الکواکب السائرہ باعیان المئۃ العاشرہ (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۱ء) ص ۲۵۔
۱۰۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۶ ص ۴۵۳۔
۱۱۔طاش کبری زادہ، العقد المنظوم، ص ۴۴۰۔

۱۲. R. C. Repp, The Mufti of Istanbul, (Oxford: Oxford University, ۱۹۸۶) p.۲۷۲.

۱۳۔ خلیل ساحلی اوغلو، قانون نامہ آلِ عثمان (عمان: عمادۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاردنیہ، ۱۹۸۶م) ۱۰۸۔
۱۴۔العیدروسی، شمس الدین عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ، تاریخ النور السافر عن اخبار القرن العاشر (بغداد: المکتبہ العربیہ، ۱۹۳۴م) ص ۲۳۹۔
۱۵۔طاشکبری زادہ، العقد المنظوم، ص ۴۴۰۔
۱۶۔العیدروسی، تاریخ النور السافر، ص ۲۳۹۔
۱۷۔حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۴۵۳/۶۔
۱۸۔الشوکانی، محمد علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، ج ۱ (بیروت: دار المعرفہ، ۱۳۴۸ھ) ص ۲۶۱۔
۱۹۔ طاشکبری زادہ، العقد المنظوم، ص ۴۴۰۔

۲۰. Repp, The Mufti of Istanbul, p.۲۷۳.

۲۱۔حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۴۵۳/۶۔
۲۲۔ابن القاضی، احمد بن محمد المکناسی، درۃ الجمال فی اسماء الرجال، جلد ۳، (القاھرہ: دار التراث، ۱۹۷۰م) ص ۳۰۵۔
۲۳۔حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۴۵۳/۶۔

۲۴۔طاشکبری زادہ، العقد المنظوم، ص۴۴۰۔
۲۵۔الغزی، الکواکب السائرہ، ۳/۳۶۔
۲۶. Repp, The Mufti of Istanbul, p.۲۷۸.
۲۷۔العیدروسی، النور السافر، ۲۳۹۔
۲۸۔ایضا، ۲۴۱۔
۲۹۔طاشکبری زادہ، العقد المنظوم، ۲/۲۸۔
۳۰۔حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۱/۶۷۔
۳۱۔الکھنوی، الفوائد البھیمۃ، ۸۲۔
۳۲۔الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۴۷۔
۳۳۔الادنروی، احمد بن محمد، طبقات المفسرین، تحقیق: سلیمان بن صالح الخزی (المدینہ المنورہ: مکتبہ العلوم والحکم، ۱۹۷۷ء)، ۱۳۱
۳۴۔عاشور، التفسیر ورجالہ، ۱۱۳۔
۳۵۔العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، ۱/۲۱۔
۳۶۔البقرہ، ۲: ۳۲
۳۷۔العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، ۱/۲۰۳، ۲۰۲۔
۳۸۔ایضا، ۲/۱۔
۳۹۔العنکبوت، ۶۴:۲۹۔
۴۰۔زمخشری، الکشاف، ۳/۲۶۴۔
۴۱۔العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، ۶/۳۴۶۔
۴۲۔یونس: ۱۰-۹۔
۴۳۔العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، ۳/۶۳۴۔
۴۴۔ابراھیم رفیدہ، النحو وکتب التفسیر (اللیبیۃ: الدار الجماھیریۃ للنشر والتوزیع والاعلان، ۱۹۹۰ء)، ۲/۹۸۷۔
۴۵۔الغزی، الکواکب السائرۃ، ۳/۳۵۔
۴۶۔البقرۃ، ۲: ۳۔
۴۷۔البیضاوی، عبداللہ بن عمر بن محمد، انوار التنزیل واسرار التاویل، (لاھور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۳ء)، ۱/۶۲۔
۴۸۔العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، ۱/۱۰۲۔
۴۹۔البقرۃ، ۲: ۳۔
۵۰۔البیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، ۱/۶۴۔

۵۱۔ھود،۱۱:۶۔
۵۲۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۱/۱۰۳۔
۵۳۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۱/۵۴۵۔
۵۴۔اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ،۱۴/۷۳۔
۵۵۔الذاہبی،التفسیر والمفسرون،۱/۲۴۸۔
۵۶۔ابراھیم: ۱۴-۲۲۔
۵۷۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۴/۲۵۵۔
۵۸۔ایضا،۱/۳۰۔
۵۹۔الذاہبی،التفسیر والمفسرون،۱/۱۶۵۔
۶۰۔النمل،۲۷:۳۵۔
۶۱۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۴/۱۳۱۔
۶۲ایضاً ،۱/۷۰-۷۱۔
۶۳۔البقرۃ۲:۱۱۷۔
۶۴۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۱/۳۲۷۔
۶۵۔النساء ۴:۱۶۴۔
۶۶۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۲/۴۶۳۔
۶۷۔البقرۃ
۶۸۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۱/۱۴۶۔
۶۹۔الزخرف ۴۳:۱۹۔
۷۰۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۷/۳۱۳۔
۷۱۔مریم۱۹:۶۔
۷۲۔العمادی،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،۴/۱۶۵۔